© rasailojaraid.com

انفرادی ملکیت اسلام میں

(۳)

نعیم صدیقی

اسلام میں املاک کے لئے کوئی مقداری تحدید نہیں!

سوشلزم کے تحت ملکیت کے جو نظریات تشکیل پذیر ہوتے ہیں، ان میں سے اشتمالیت ہی سوشلزم کے اصولوں کا منطقی تقاضا معلوم ہوتی ہے جس نے پیدائش دولت کا پورا نظام ہی نہیں، بلکہ صرفِ دولت کے تمام انفرادی اختیارات سے بھی فرد کو محروم کرنا ضروری سمجھا ہے لیکن سوشلزم کے اس منطقی تقاضے کو عملاً لے کے چلنا ممکن نہ تھا اس لئے افراد کے داعیۂ ملکیت کی تسکین کے لئے انفرادی ملکیت کے حقوق کو مختلف طریقوں سے محدود کر دینے پر اکتفا کیا گیا۔

بعد میں سوشلزم کے اصول اور انفرادی ملکیت کے جذبے کے درمیان ہونے والی کشمکش نے ان کے سمجھوتے (COMPROMISE) کے لئے مختلف وصلی شکلیں پیدا کیں۔ انھی شکلوں میں سے نمایاں یہ تھیں کہ افراد کو بھی املاک کا حق تو دیا جائے لیکن املاک پر مقداری اور استعمالی تحدیدات لگا دی جائیں، نیز سرمایہ، زمین یا دوسرے ذرائع پیداوار بھی افراد کے پاس رہنے دیئے جائیں مگر ان کی ایک خاص نرائد سے زائد مقدار کو متعین کر دیا جائے کہ انفرادی حقِ ملکیت اس سے زائد وسعت نہیں اختیار کر سکتا۔

علاوہ بریں سوشلزم کے داعی جب کسی انفرادی ملکیت پر چلنے والے نظامِ زندگی کو اجتماعی ملکیت کے نظام میں بدلنا چاہتے ہیں اور اس قسم کی ہمہ گیر تبدیلی کے لئے وہ یک دم جست لگانے میں رکاوٹیں محسوس کرتے ہیں تو پھر ایک تدریجی طریق کار اختیار کرتے ہیں۔ وہ پہلا قدم یہ اٹھاتے ہیں کہ مثلاً زمین کی ایک خاص مقدار سے زائد کی ملکیت افراد کے لئے بذریعہ قانون ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس طرح افراد کی املاک میں ریاست کی جابجا مداخلت کا دروازہ جب ایک مرتبہ کھول لیا جاتا ہے تو پھر اس دروازے سے اجتماعی ملکیت کا اصول ایک خونی آمریت کے ہاتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہاتھ ڈالنے دخل ہوتا ہے اور فرد کے حقوق کا قتلِ عام شروع ہوجاتا ہے۔

محدود املاک کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص حد سے (جو بھی طے کی گئی ہو) زائد املاک ——— سرمایہ، زمین، آلات یا نجی زراعت ——— سوسائٹی میں معاشی و تمدنی مفاسد پھیلانے کا موجب ہوتے ہیں؛ وہ جب اس حد سے ان کے بڑھنے کو روک دیا جاتا ہے تو مفاسد کی روک تھام ہوجاتی ہے۔ یہ نظریہ کہتا ہے کہ فی نفسہ املاک کی ایک خاص مقدار ہے جو انسان کو اخلاقی پست اور معاشرتی لحاظ سے سوسائٹی کے لئے مضر بنا دیتی ہے۔ اس مقدار کے ساتھ انسان لازماً شریر بن جاتا ہے اور یہ مقدار نہ ہو تو پھر وہ "اگر خیر" ہوجاتا ہے۔ گویا مفاسد انسان کے اندر سے نہیں ابھرتے کہ اس کی اصلاح کی جائے، بلکہ اس کے باہر سے ——— املاک کی مقدار کے بڑھنے کی وجہ سے ——— آکر اس پر چھا جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظریے کو انسان کے خیالات، اس کے جذبات اور اس کے اخلاق کی تربیت سے کوئی مطلب نہیں، بلکہ وہ املاک کی مقداروں کو روک دینے تو والوں کی قطع و برید کرنے کو انسانی فلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا ایک اسلامی معاشرہ میں جس میں ایک اصلاحی حیثیت اسلام کے اخلاق، تربیت اور نظام قانون کے ساتھ کارفرما ہو، املاک کی کوئی مقدار فی نفسہ کسی فرد کے اخلاق کے لئے موجب فساد ہوسکتی ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں؟ وہ بے شمار لوگوں کی محنت کو روپے، زمین اور آلات کے زور سے ناجائز کمائی کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔

مگر جب اسلامی ریاست کی طرف سے معاشی نظام کے اصولیات میں یہ طے کیا ہو کہ کسی کی محنت سے استفادہ کرنے والے کے لئے واجب ہوگا کہ وہ اس کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے (ورنہ ریاست خود ضامن ہے کہ ہر شہری کی ضروریات کا انتظام کرے، اور اس مقصد کے لئے وہ بہرحال زائد املاک رکھنے والوں پر ہی بار ڈالے گی) اس کے زیر سایہ یہ کیسے ممکن ہے کہ محنت کار سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاسکے؟

پھر ... اپنے کاروبار میں سے ڈھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ بھی دیتا ہے، حکومت کے دوسرے ٹیکس بھی دیتے ہیں اور دوسرے چندے اور صدقات بھی دیتے ہیں جو اس نظام پر صرف ہوں گے۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ محنت کے جائز معاوضے دے کر اور جملہ حقوق ادا کرکے بھی ... یا وہ چاہتا ہے کہ مزید سرمایہ، مزید زمین، مزید آلات پیدا و جمع کرلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ٹھیک ——— وہ یقیناً زیادہ ذرائع جمع کرکے زیادہ کمائی کرنے لگتا ہے اور بہت سا روپیہ جمع کرلیتا ہے، لیکن اس روپے سے وہ کرے گا کیا؟

آپ کہتے ہیں کہ وہ اس کو عیاشی میں جھونک دے گا اور عوام ضروریات سے محروم ہو جائیں گے۔

لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ اسلام میں نہ شراب جائز، نہ موسیقی جائز، نہ رقص جائز، نہ قمار کی تفریح جائز، نہ ریشمی لباس جائز، نہ سونے چاندی کے برتنوں کا رکھنا جائز، نہ تصاویر اور مجسموں کا وجود جائز، نہ تقاریب پر بینڈ باجے اور دوسری فضول رسوم جائز ——— عیاشی کے بڑے بڑے شاہ درے تو یہاں بند ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے فالتو روپے کو کرائے پر چڑھا کر دولت کا بہاؤ روک کر اس سے اپنے حوض بھرتا رہے گا۔

لیکن آپ کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اسلامی معاشرہ میں سود اور سود کے اصول پر بینک کاری اور سٹہ کے اصول پر تجارت وغیرہ کے سارے طریقے ممنوع ہیں۔

پھر آپ یہ خدشہ ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ دولت کو بے کار ڈالے رکھے گا۔

حالانکہ جمع شدہ روپے پر زکوٰۃ عائد کرکے اسلام نے جمع کرنے والے کو مجبور کردیا ہے کہ وہ اسے پیداآور مقاصد میں لگائے، لہٰذا وہ بے کار نہیں ڈال سکتا۔ نیز اس کے باوجود بھی اگر وہ کچھ جمع کرکے رکھے تو اس کی موت پر اس کے سرمائے اور ذرائع پیداوار کے ساتھ اس کا بے کار ڈالا ہوا روپیہ بھی متعدد مستحقین میں بٹ جائے گا۔

اندریں حالات املاک کی مقداری تحدید کا نظریہ ایک مسلمان کی نگاہ میں بالکل فضول اور بے سروپا قرار پاتا ہے۔

اب آئیے اور معاملہ رکھیئے اسلامی قانون کے سامنے!

فرض کیجئے کہ ایک شخص سو ایکڑ زمین کا مالک ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم اس کو صرف ۵۰ ایکڑ زمین رکھنے کا حق دینا چاہتے ہیں، بقیہ پچاس کو اس سے سلب کر لینا چاہیئے۔ اسلامی قانون آپ سے پوچھتا ہے کہ ۵۰ ایکڑ کی ملکیت کو جائز اور ۱۰۰ کی ملکیت کو ناجائز قرار دینے کے لئے آپ کے پاس قانونی دلائل کیا ہیں؟ آپ کو ثابت کرنا ہے کہ اس نے پچاس ایکڑ ناجائز کمائے ہیں یا کسی دوسرے سے زبردستی چھینے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شخص چونکہ ۱۰۰ ایکڑ کا مالک ہے اس لئے یہ سراسر غلط ہے۔ جب تک ۵۰ ایکڑ سے زائد رقبہ اس کے پاس رہے یہ سوسائٹی اور دوسرے افراد کی حق ماری کا مجرم رہے گا۔ قانون پوچھتا ہے کہ وہ حق بتایئے جو اس نے کسی سے سلب کیا ہے یا وہ زیادتی بیان کیجئے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی طرف سے سوسائٹی پر ہو رہی ہے تاکہ اس کی تلافی کی جائے۔ قصور اگر کوئی ہے تو اس شخص کا ہے یا ۵۰ ایکڑ زمین کا؟ اگر قصور ۵۰ ایکڑ زمین کا ہو تو اس کا حل سوچا جائے اور اگر قصور اس شخص کا ہو تو اس کی اصلاح کی جائے۔

اب آپ بگڑ کر کہتے ہیں کہ یہ قانون تو دراصل ملاؤں کی بنائی ہوئی پرانی فقہ ہے جو آج کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

بہت اچھا! آپ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو سامنے رکھ کر کوئی دلیل اس پر لائیے کہ روپے پیسے، سونے چاندی، مویشیوں، زمین، مکانات، لباس اور دوسرے ضروریات و آلات میں سے کسی ایک کے بارے میں اشارۃً بھی کہیں مقداری تحدید کے لئے کوئی قانونی نکتہ ملتا ہے ——— کوئی نظیر، کوئی مثال، کوئی قانونی فیصلہ، کوئی اجتہادی اجماع!

اگر آپ کو ایسی کوئی دلیل نہ ملے تو پھر آپ کو حق کیا ہے کہ آپ تحدید املاک کے نظریے کو اسلام سے کوئی نسبت دیں۔ ——— ایک فکر جو پیدا ہی سوشلزم کے گھر ہوئی، اس کا شجرۂ نسب اسلام سے ملانے کے لئے سوائے دین کی مضحکہ انگیز تاویل کرنے کے اور کوئی راستہ آپ کو نہ مل سکے گا۔

اسلام میں ساری تحدیدات کمانے کے ذریعوں، خرچ کرنے کے راستوں اور دوسروں سے معاملہ کرنے کے طور طریقوں کی غلط نوعیتوں پر ہیں، نہ کہ کمانے اور خرچ کرنے اور املاک رکھنے کی مقداروں پر۔ اگر فساد مقداروں کا ہوتو پھر ساری تحدیدیں مقداروں پر ہونی چاہیئے تھیں اور اصولوں اور طور طریقوں کو آزاد ہونا چاہیئے تھا، لیکن چونکہ اسلام کے نزدیک جڑ فساد غلط اصول اور غلط طریقے ہوتے ہیں، لہٰذا اس نے ساری تحدیدیں اسی پہلو سے عائد کی ہیں اور مقداروں کے لئے کوئی ضابطہ بندی نہیں کی، سرمائے، وسائل اور ذرائع آمدنی کا کوئی راشننگ سسٹم اس نے جاری نہیں کیا۔

نمونے کی سوسائٹی جو نبی صلعم نے صحابہؓ کی تربیت سے خود بنائی تھی وہ املاک کی مقداری تحدید سے پاک تھی۔ کسی چیز پر بھی تحدید نہ تھی کہ اتنے سے زائد درہم و دینار رکھنا حرام، اتنے سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنا ممنوع اور اتنے سے زائد زمین پر قبضہ ناجائز ——— جو زائد ہو وہ ریاست کی ملکیت!

قرآن میں اللہ نے رزق اور دوسری نعمتوں کے بارے میں آخری بات جو کہی ہے کہ یوتیہ من یشاء بغیر حساب تو اس کے کیا معنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی بخشائش کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضابطہ نہیں رکھا کہ تمام افرادِ انسانی کے لئے پیمانہ ایک ہوگا، نہ کسی کو اُس سے کم ملے گا، نہ زائد۔

کہا جاتا ہے کہ بلا شبہ "تحدیدِ ملاک" کا نظریہ عالمِ انسانی کی تازہ ایجاد ہے، لیکن یہ اُن حالات کا نتیجہ ہے جو قرآن کے نزول کے بہت بعد پیدا ہوئے ہیں۔ مگر سوچئے تو سہی کہ یہ حالات بہر حال غیر اسلامی نظام کی ایک بد ترین صورت ——— سرمایہ داری ——— کے تحت ہی تو پیدا ہوئے ہیں، خود اسلامی نظام کے اندر تو اس طرح کے مفاسد کا امکان نہیں کہ باہر سے ان کے لئے سامانِ علاج خرید کے لانا پڑے۔ یہ مفاسد غیر اسلامی نظام کے ہیں اور وہ ان کے لئے غیر اسلامی علاج ایجاد کرتا رہے ہمیں اس سے کیا دلچسپی! ہمارا کام تو موجودہ نظام کو اسلامی نظام سے بدلنا ہے۔

کیا اسلام کاروباری سرمائے کی ملکیت پر کوئی پابندی لگاتا ہے؟

اشتراکی اسٹیٹ نے کاروباری سرمائے اور ذرائع پیداوار کی ملکیت کو افراد کے لئے حرام ٹھیرا دیا ہے۔ آپ اپنا روپیہ عیاشی میں صرف کر سکتے ہیں لیکن اس کو کاروبار میں لگانے یا اس کے ذریعے ذرائع پیداوار حاصل کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ خُدا کے حلال ٹھیرائے ہوئے کو حرام قرار دینا اپنے آپ کو خُدا کی ہمسری کے مقام پر لانا ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی زمین میں بھیجتے ہوئے مجاز ٹھیرایا کہ وہ جائیں اور رزق حاصل کریں اور رزق کے ذرائع بھی۔ متاع کی تعریف میں یہ بھی داخل ہے وہ بھی! لیکن اس سرزمین پر کچھ ایسے فلسفی پیدا ہو جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ رزق تو حاصل کر سکتے ہو لیکن ذرائع رزق پر حکمران طاقت کا قبضہ ہوگا اور جو کچھ تم کو ملے گا براہِ راست خُدا کے خزائن سے نہیں بلکہ اس حکمران طاقت کے واسطے سے ملے گا۔ تم پہلے کما کے سب کچھ اس طاقت کے حوالے کرو، پھر یہ طاقت جس طرح مناسب سمجھے گی تم میں بٹوارہ کرے گی۔

اس فلسفے کو ماننے والے جائز ہی نہیں، لازم قرار دیتے ہیں کہ فرد کو ذرائع پیداوار کی ملکیت سے محروم کر دیا جائے۔

——— آیئے یہ سوال خود اسلام کے سامنے لے جا کے رکھا جائے۔ ہم خدا کی کتاب اور اس کے رسول سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص اس کا مجاز ہے یا نہیں کہ وہ اپنے روپے سے تجارت کرے، ایک خراس لگا کر غلے کی پسائی کا کام کرے، تانگہ خریدے اور کرائے پر چلائے، ٹائپ رائٹر مشین مہیا کرے اور معاوضہ لے کر لوگوں کی عرضیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹائپ کرے، زمین مول لے اور اجرت دے کر کاشت کرائے، باغ لگائے اور مالیوں کو ملازم رکھ کر پھل پیدا کرے، مکان تعمیر کرے اور کرائے پر دے، یا بیل گاڑیاں چلائے اور لوگوں کے بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائے؟ اب فرمائیے کہ خدا کی کتاب، اس کے رسول کی سنت (قول اور عمل دونوں) اور اس کا اتباع کرنے والے خلفائے راشدین کا نظام حکومت اس سوال کا جواب کیا دیتے ہیں؟ بغیر اس کے کہ بیچ میں آپ اپنی کوئی "اگر مگر" شامل کریں، آپ وہاں سے کیا جواب پاتے ہیں؟

جب بات یہاں پہنچتی ہے تو لوگ "یہ زمانہ" اور "آج کل کے حالات" کا ذکر چھیڑ کر کہیں سے کہیں جا پہنچتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ایسے موقع پر پیش کی جاتی ہے وہ "الارض للّٰہ" کے قرآنی الفاظ سے زبردستی نکالی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن ہی نے تو زمین کو بندوں کی ملک کے بجائے اللہ کی ملک قرار دیا ہے، اور اسی لئے قرار دیا ہے کہ یہ مرکزی ذریعۂ پیدائش دولت ہے۔

ناواقف آدمی اس استدلال کو سن کر چونک جاتا ہے، لیکن اگر کوئی قرآن پڑھنے والا یہ مطالبہ کر بیٹھے کہ اچھا ذرا قرآن کھول کر دیکھیں تو سہی کہ یہ الارض للّٰہ کس کلام کا ایک جز ہے تو اس دلیل بازی کی ساری عمارت ڈھے جاتی ہے۔ یہ کلمہ اپنے موقع پر قطعاً دوسرے مطالب کے ساتھ وارد ہے۔ قرآن کا بیان یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے سامنے جب ان کی قوم فرعون کے مظالم کا ذکر کر کے مایوسی اور بددلی کا اظہار کرتی ہے تو وہ اس کو جدوجہد جاری رکھنے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

استعینوا باللّٰہ واصبروا ۚ ان الارض للّٰہ یورثہا من یشآء من عبادہٖ ط والعاقبۃ للمتقین ۝

اللہ سے مدد طلب کرو، اور ثابت قدم رہو، زمین کا مالک (فرعون نہیں) اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے، اور اس معاملے میں انجام کار کامیابی اہل تقویٰ کے لئے ہے۔

اپنے صاف صاف مفہوم کی رو سے یہ آیت خالص "سیاسی" ہے اور ایک فی صدی بھی "معاشی" نوعیت نہیں رکھتی۔ اگر یہ آیت معاشی مسائل کے تحت آتی تو قدرتی طور پر الارض کے معنی "کھیتی" یا زیر کاشت زمین کے ہوتے۔ غور کیجئے اس مقام پر "الارض للّٰہ" سے متجددین کرام جو استدلال کرتے ہیں اگر اللہ میاں کو اسی کے مطابق بات کہنی تھی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی کھیت پر مالکانہ زمین کا حقِ ملکیت تسلیم نہیں کیا جاسکتا بلکہ جو کاشت کرے صرف وہ کاشت کے زمانے تک اس کا مالک ہے تو پھر گویا ان حضرات کے نزدیک وہ ایسی ہستی ہے جسے (نعوذ باللہ) ایک سیدھی سی بات کہنا بھی نہیں آتا اور اس کے لئے اسے مناسب الفاظ نہیں ملتے۔

پھر یہ حضراتِ مفسرین آیت کو اپنی جگہ چھوڑ کر دوڑتے ہیں اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب اٹھا لاتے ہیں کہ دیکھو اس میں "الارض للہ" کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ زمین ایک کاروان سرائے کی حیثیت رکھتی ہے کہ جو آئے اس میں بسیرا لے اور رخصت ہو جائے، یہاں مالک بننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اسی کتاب میں "الارض للہ" کی اس تعبیر کے پیش کرنے والے امام نے جہاں واضح طور پر ملکیت کے انسانی حق کے بارے میں قلم اٹھایا ہے اور جہاں دوسرے کی محنت خریدنے کا اصول واضح کیا ہے اور جہاں زمین کو دوسروں سے کاشت کرانے کو قاعدہ بیان کیا ہے وہاں ان کی نگاہ نہیں جاتی اور نہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں وجہ تطبیق کیا ہے۔

اگر "الارض للہ" کا مفہوم یہی تھا کہ ذرائع پیداوار ملت کے دستِ تصرف میں رہیں گے اور افراد کو سارا رزق خدا کے خزانوں سے براہِ راست نہیں، بلکہ ریاست کے "قومی ملکیت" کے نظام کی معرفت ملے گا تو پھر قرآن کے مصنف (خدا تعالیٰ) اور اس کے شارح (نبی صلعم) کے بارے میں آپ کی رائے اس کے سوا کیا قرار پائے گی کہ (نعوذ باللہ) نہ حکم دینے والے کو اپنی بات واضح کرنا آیا اور نہ شرح کرنے والے کی عقل میں اصل بات بیٹھی، اور نہ ان دونوں کو مان کر نظامِ زندگی قائم کرنے والوں کو ایک حکم کی تعمیل کا سلیقہ آیا۔

سوال یہ ہے کہ انفرادی ملکیت کے ایک معروف طریق کو بدلنے کے لئے ویسا ہی انقلابی اعلان اور انقلابی عملی اقدام ضروری قرار پاتا ہے جیسا شراب اور سود اور بیٹیوں کے قتل اور کعبہ کے ننگے طوافوں اور بت پرستی کے خاتمے کے لئے کیا گیا تھا، پھر کیوں اس طرح کا تبدیلی پیدا کرنے والا اعلان و اقدام نہ کیا گیا؟ پھر اس میں رکاوٹ کیا تھی کہ اس وقت کی ساری زمین اور سرمایہ اور ذرائع پیداوار صاف صاف طریق سے افراد سے لے کر اجتماعی نظم کے حوالے کر کے "جوائنٹ سسٹم" پر زندگی استوار کر دی جاتی۔ پورے عرب کو ایک با مقصد کمیون (COMMUNE) کی صورت میں بدلنا وقت کے حالات کے لحاظ سے نہ مشکل تھا نہ غیر مفید۔ یہ کام کرنا اگر اسلام کو مطلوب ہوتا تو اس کا بہترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقع اس وقت پیدا ہوا تھا جب مدینے میں مہاجرین کی ایک بڑی تعداد وارد ہوئی تھی لیکن اس وقت بھی نبی صلعم نے کوئی قانونی حکم جاری کئے بغیر محض اخلاقی اپیل کرتے ہوئے انصار سے صرف یہ چاہا کہ وہ اپنے انفرادی املاک کو برقرار رکھتے ہوئے مہاجرین کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد کریں اور انصار نے اس اپیل پر اس حد تک عمل کر کے دکھایا جس حد تک انسان فراخدلی اور ایثار میں آگے جا سکتا ہے۔ لیکن بہر حال یہ نہیں ہوا کہ نبی صلعم نے صدرِ ریاست ہونے کی حیثیت سے سرمایہ و وسائل پر سے کچھ انفرادی ملکیت کو ساقط کرتے ہوئے قانون حکومت کو دولت کا بجز رائج منا کر افراد کے لئے مشترک کمائی اور مشترک صرف کی صورت قائم کر دی ہو آپ پوری دولت پر حکومت کے قانونی تصرف کی بھی چھوڑیئے، اس کا کوئی ثبوت نکال کے دکھا دیجئے کہ مہاجرین کا وقتی مسئلہ حل کرنے کے لئے بھی کوئی ایک ذرا کسی نوعیت کی کسی ایک ملک کے خلاف بھی قانونی کارروائی کی گئی ہو۔ اس کو تم اپنے پاس رکھنے کے مجاز نہیں ہو۔ تمہاری زمین، یا مکان، یا اونٹ اور مویشی بحق سرکار اجتماعی ملک میں داخل کرنے کے لئے ضبط کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ منافقین جنھوں نے اسلامی اخوت کے اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنے سے اپنے اموال کو ہمیشہ بچا کے رکھا، ان سے بھی نہ مہاجرین کے مسئلے کا مقابلہ کرتے ہوئے اور نہ قریش مکہ کی جنگی کارروائیوں کی ٹکر سہتے ہوئے قانونی جبر سے کوئی ملک سلب نہیں کی گئی۔ بخلاف اس کے خلیفہ اول نے زکوٰۃ کا حق روکنے والوں کے خلاف سرکاری طور پر سخت ترین اقدام کر کے واضح کر دیا کہ اللہ کے مطالبے کو رد کرنے کا مجاز کوئی نہیں۔ پھر اگر انفرادی ملک کا خاتمہ ہی خدا کے دین کو مطلوب تھا تو اس معاملے میں کوئی کھلا کھلا اقدام کیوں نہ کیا گیا؟

مدینے کے معیاری اسٹیٹ کے تحت بڑے سرمائے کے تجار بھی موجود رہے، بڑے زمیندار بھی موجود رہے، اونٹوں کی بڑی تعداد کو کرایوں پر چلانے والے بھی موجود رہے، پھلوں کا وسیع کاروبار کرنے والے بھی موجود رہے ——— لیکن کسی نے ان کے ذرائع و وسائل اور سرمایوں کے خلاف قانونی کارروائی سے کبھی کام نہ لیا۔

بعد کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب "الحکم للّٰہ" میں حکومت کو اللہ کا حق قرار دیا گیا ہے اور جائز حکومت صرف وہ قرار پاتی ہے جو اس کی نیابت میں پوری امت کے اشتراک سے چلے اور اس کو کسی فرد کی ملک قرار نہیں دیا جا سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو کیوں نہ "الارض للہ" کے ٹکڑے کا مطلب بھی یہی لیا جائے کہ چونکہ زمین اللہ کی ملک ہے لہٰذا وہ بھی "حکم" کی طرح افراد کی ملک میں دینا ناجائز ہے اور اس پر ملت کی اجتماعی ملکیت قائم ہونی لازم ہے۔

حالانکہ یہ کہنے والوں کو دونوں کا فرق نظر نہیں آتا کہ سرمایہ، زمین، آلات و وسائل وغیرہ کمائی کے ذرائع ہیں لیکن حکومت کسی کاروبار یا کرانے کے ذریعے کا نام نہیں بلکہ ایک مشترکہ نظم و نسق کا نام ہے۔ رزق اور کمائی کے ذرائع پر فرد کے لئے شریعت نے ملک و قبضے کا حق تسلیم کیا ہے لیکن حکومت کے لئے نہیں۔ اپنے اپنے ذرائع و وسائل سے افراد الگ الگ کام لے سکتے ہیں، لیکن ہر فرد اپنی اپنی جگہ حکومت نہیں چلا سکتا، ذرائع رزق ہر فرد کو الگ الگ درکار ہیں اور حسبِ صلاحیت و ضرورت درکار ہیں، لیکن حکومت بہت سے افراد کو مشترک طور پر ایک ہی قائم کرنی ہوتی ہے اور وہ ہوتی ہی ہے زندگی کے اجتماعی تقاضوں کے لئے۔

پھر معاملہ یوں نہیں ہے کہ آپ "ان الحکم الا للہ" کے ایک کلمے کو سامنے رکھ کر اس میں سے حکومت کے بارے میں سارے ضابطے اور نظریے نکالتے چلے جائیں۔ اسی طرح "الارض للہ" کے کلمے کو سامنے رکھ کر اس پر ایک معاشی فلسفے کا محل کھڑا کرنا درست نہیں ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ خدا کی حکومت کے لئے جس طرح آپ کو خدا ہی کی طرف سے کچھ اصول، دستوریات، ضوابط اور عملی نظائر ملتے ہیں، اسی طرح آپ زمین اور دوسرے املاک کے بارے میں خدا سے یہ معلوم کریں کہ وہ کیا اصول، قانون اور ضوابط دیتا ہے، اور ان کی رو سے وسائل کی انفرادی ملکیت حرام ہے یا حلال! اگر حلال ہے تو اسے حرام کرنے کے لئے اتھارٹی کونسی ہے؟ خدا تعالیٰ نے اگر اپنے آپ کو زمین کا مالک قرار دینے کے بعد حکومت کے واسطے کے بغیر افراد کو حقِ ملکیت دیا ہو تو آپ کون ہوتے ہیں جو بیچ میں آ کودیں اور کہیں کہ یہ "حق" تو اسلامی نہیں ہے اسے سلب کر لینا چاہیئے۔ خدا کا دعوائے ملکیت تو ہے ہی اس لئے کہ وہ چاہتا ہے کہ میں اپنی ملک پر جسے تصرف دینا چاہوں اس میں کوئی دوسرا مانع نہ ہو۔ آپ گویا اسی کی نفی کرتے ہیں۔

یہ وہ ایچ پیچ کے طریقے ہیں جن سے سوشلزم کے جدید نظریے کو اسلام کا جامہ پہنا کر درحقیقت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جس حقیقت کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت دنیا پر صاف صاف واضح نہ کر سکی تھی، اُن سے بے نیاز ہو کر سوچنے والا محمد مارکس زیادہ اچھی طرح واضح کر گیا، ملکیتِ اجتماعی کے جس نظام کو نبی صلعم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حکومت ٹھیک ٹھیک طریق سے نافذ نہ کرسکی اسے قائم کرنے کا حق ادا کیا تو یہی، اور اشتراکی نے! جو کام دین نہ کرسکا وہ کفر نے کر دکھایا اور اب اس دین کی تکمیل بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اس کفر سے مانگ تانگ کے کچھ اصول لائے جائیں اور اس میں فٹ کئے جائیں۔

اسلام اس سے بری ہے کہ اس نے ذرائع و وسائل اور کاروباری سرمائے کو کسی صورت میں بھی افراد کے لئے شجر ممنوعہ قرار دیا ہو۔ اس کی پالیسی تو الٹا یہ رہی ہے کہ اس نے کاروبار سے اپنی حکومت کو الگ رکھا ہے اور افراد کی آزادئ کسب اور آزادئ انتفاع کو پوری طرح برقرار رکھا ہے۔

اس دین کے لانے والے نے تو دوسرے کے سرمائے پر خود محنت کی ہے اور شراکتِ منافع پر کاروبار کیا ہے۔ حضرت خدیجہ سرمایۂ وافر کی مالک تھیں اور آپؐ ان کے سرمائے سے کاروبار کر کے پوری کمائی ان کے سامنے لا رکھتے تھے، لیکن آپؐ نے اپنی زوجۂ محترمہ تک کو خدا کی طرف سے یہ حکم نہ سنایا کہ سرمائے کی ملکیت حرام کر دی گئی ہے لیکن کچھ لوگوں پر نئی وحی اتری ہے جس کے تحت وہ نبی صلعم کی تعلیم کی اصلاح فرمانے لگے ہیں۔

کاروباری سرمائے (کاروباری زر، آلات، ذرائع و وسائل) پر شریعت کی پابندیاں صرف حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) جائز طریق سے اس کی ملکیت حاصل کی گئی ہو۔

(۲) اسے صرف کمائی کے جائز طریقوں میں استعمال کیا جائے۔

(۳) اس پر اگر دوسروں کی محنت لی جائے تو فراخدلی سے ان کے واجب الادا حقوق ادا کئے جائیں۔

(۴) اس میں سے (اور اس کی آمدنی میں سے) صدقاتِ واجبہ اور نظامِ اسلامی کے مالی مطالبات دیانتداری سے ادا کئے جائیں۔

شریعتِ اسلامی کی طرف سے ان پابندیوں سے زائد کوئی پابندیاں کاروباری سرمائے اور ذرائع و وسائل پر ثابت نہیں ہیں۔ جو لوگ کچھ الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے کتاب و سنت کی ساری تصریحات کو ایک طرف سے الگ رکھ کر ان الفاظ سے شاعرانہ[ا] اور فلسفیانہ قسم کے فقرے برآمد کرتے ہیں، پھر اپنے ان فقروں سے کچھ اور نتائج نکالتے ہیں،

[ا] بطور مثال اس طرح کا ایک فقرہ یہاں درج کیا جاتا ہے: "قانونِ خداوندی کے مطابق قائم کردہ نظام میں افراد کی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں افراد کا فریضہ نوعِ انسانی کی ربوبیت (نشو و نما) ہے" ــــــ ملاحظہ فرمایا آپ نے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر ان نتائج سے ایک معاشی نظام گھڑتے ہیں، پھر اس معاشی نظام کے مطابق احکام نکالتے ہیں، وہ اپنی خیال آرائیوں کے خود ذمے دار ہیں۔

اس بحث کو جاری رکھنے کے لئے جب اور کوئی راستہ نہیں ملتا تو آخر کار لوگ آیتِ کنز کو لے کر آتے ہیں کہ دیکھیے اس کی رو سے سونے چاندی کی کوئی مقدار جمع کر کے رکھنا ممنوع ہے۔

آیتِ کنز سورۂ توبہ میں ایک ایسے محلِ کلام میں آئی ہے جہاں حق و باطل کی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ احبار و رہبان یعنی (بنی اسرائیل کے) صوفیا و علما جنھیں دینِ حق کا ہمہ تن خادم ہونا چاہیے تھا اب اس پستی میں آگرے ہیں کہ اسی دین کے نام سے حرام کمائیاں کرتے ہیں اور پھر ان کمائیوں سے سونے چاندی کے جو انبار جمع کرتے ہیں ان کو بھی خود دینِ برحق کو غالب کرنے والی تحریک کا راستہ روکنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اب ان لوگوں پر یہ بات کو بالکل چسپاں کرتے ہوئے یہ کہا جا رہا ہے کہ مال و دولت کی قوت کو جو لوگ اس طرح سمیٹے بیٹھے ہیں، ان کو جان لینا چاہیے کہ جب تک وہ اسے راہِ حق میں استعمال نہ کریں، وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو عذابِ الیم کی "بشارت" دی جائے۔

اس سے بلاشبہ یہ بات بھی نتیجۃً اخذ ہوتی ہے کہ مسلم سوسائٹی میں جو لوگ اپنے اموال کو سینت سینت کر ان پر سانپ بنے بیٹھے رہیں، درانحالیکہ ان کے روبرو خدا کا دین موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہو اور یہ کشمکش کہہ رہی ہو کہ اغنیا اپنے اموال کو پائی پائی اور کوڑی کوڑی "فی سبیل اللہ" صرف کر دیں تو وہ آخرت میں سخت گرفت کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ اس تنبیہ کا یہ اثر صحابہ کی سوسائٹی پر رونما ہوا تھا کہ مالدار لوگ متفکر ہو ہو کر آنحضور صلعم سے دریافت کرنے آئے کہ کیا سونے چاندی کی کوئی مقدار رکھنا ان کے لئے جائز نہیں رہا اور "کنز" ہر حال میں حرام ہے۔ اس کے جواب میں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) "نوعِ انسانی کی ربوبیت" کی اصطلاح کو، اب اس اصطلاح سے ذہن میں جو شاعرانہ فضا بنتی ہے اُس کے پیٹ سے عجیب و غریب تصورات و تخیلات جنم لیتے ہیں، یہاں تک کہ آدمی خُدا اور اس کی کتاب کو بھول کر ہمہ تن "نوعِ انسانی کی ربوبیت" کے خوشنما فلسفے کی کوچہ گردیوں میں کھو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ اسلام ہی ہو گا۔ کبھی ذرا سوچیے تو سہی کہ "افراد کا فریضہ نوعِ انسانی کی ربوبیت" کو آپ لے کہاں سے آئے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو بتایا گیا کہ زکوٰۃ دینے کے بعد (جائز کمائی سے حاصل کردہ) سیم وزر کا کنانز کی اس ممنوع صورت سے خارج ہو جاتا ہے جس کے لئے اس آیت میں وعید آئی ہے۔ ورنہ اگر حدیث کی اس وضاحت کو نہ مانا جائے تو حسبِ ذیل نتائج برآمد کئے جا سکتے ہیں :۔

ایک یہ کہ سونے چاندی کی کوئی چھوٹی یا بڑی مقدار (سکے، زیور یا ڈلی کی شکل میں) کسی کم یا زیادہ مدت کے لئے پاس رکھنا موجبِ وعید ہے۔

دوم یہ کہ سونے چاندی کی جو مقدار جس صورت میں بھی ہاتھ آئی ہو اسے پورے کا پورا صرف اللہ کے راستے میں خرچ ہونا چاہیئے اور اپنی ضروریات پر اس میں سے کچھ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

سوم یہ کہ مستقبل کی ضروریات کے لئے کوئی شخص کسی مقدار میں سیم وزر کو پس انداز کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ سونے چاندی کے اوپر جو زکوٰۃ لگائی گئی ہے وہ بالکل فضول کارروائی تھی۔

چونکہ ان لغو نتائج سے کوئی شخص بھی ہوش وخرد کی بحالی کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا، اس لئے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور علمائے متاخرین نے بالاتفاق نبی صلعم کی اس تفسیر پر ایمان لانے کا اقرار کیا ہے جو آنحضور نے اس آیت کی فرمائی اور جو عملاً نظامِ اسلامی میں رائج ہوئی۔ اس آیت کے تقاضے صرف یہ ہیں :۔

اول : احبار ورہبان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دین کے نام پر کچھ تقریبات پر، کچھ رسموں کی انجام دہی کے لئے، فیسوں اور نذرانوں کے تعین سے فتویٰ فروشی کے کاروبار سے اور اہلِ اقتدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دین کے مقاصد میں تحریف کر کر کے ناجائز کمائیاں کریں۔

دوم : احبار ورہبان کے لئے خصوصاً اور دین کا نام لینے والوں کے لئے عموماً یہ طرزِ عمل انتہائی مکروہ ہے کہ وہ اپنے قویٰ ــــــ خصوصاً مالی قوت ــــــ کو خود دین کے غلبے کی کوششوں کو روکنے پر صرف کریں۔

سوم : اموالِ کنز میں سے باقاعدگی سے صدقاتِ واجبہ ادا کئے جائیں، نیز خدا کا دین اپنے بقا واستحکام کے لئے اہلِ مال سے جو مطالبہ رکھتا ہو اور اسلامی ریاست کی سرگرمیاں ان پر جو مالی بار ڈالیں ان کو وہ پورا کریں۔

بس ان تقاضوں سے آگے بڑھ کر اگر کوئی تحدید ایسی لگائی جائے جو سونے چاندی کی مِلک کا حق ساقط کرتی یا اس کی کسی خاص مقدار سے زائد کو حرام ٹھیراتی ہو، شریعتِ اسلامی کے اندر کی چیز نہ ہوگی، باہر کی ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا قومی ملکیت کا اصول نظام اسلامی میں اختیار کیا جا سکتا ہے؟

قومی ملکیت کے اصول کو نظام اسلامی میں فٹ کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں، اور اس حرکت سے مفید نتائج نکلیں گے یا مضر، اس سوال کا مفصل جواب میں اپنے پمفلٹ "قومی ملکیت" میں دے چکا ہوں۔

یہاں اصل میں سوال کی پیشِ نظر نوعیت یہ ہے کہ افراد کو جو حقوقِ ملکیت (متعینہ پابندیوں اور حدود کے ساتھ) خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی تصریحات کے مطابق عطا کئے ہیں، کیا بروئے دستور و آئین ان کو مسلمانوں کی ایک ریاست ان سے سلب کر سکتی ہے؟

اسلامی اسٹیٹ میں پورا نظامِ حکومت درحقیقت اصل حاکم (خدا) کے مقابلے میں وائسرائے (نائب) کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کی ریاست کے دستور میں حکومت کے مقابلے میں افراد کو جو حقوق خود اصل حکمران کی طرف سے دے دیئے گئے ہیں ان کو اگر بیچ میں کام کرنے والا نائب کالعدم قرار دینا چاہے تو بجائے اس کے کہ اس نائب کو اپنا من مانا فیصلہ نافذ کرنے کا مجاز مانا جائے اسے تو اصل حکمران کا باغی قرار دیا جائے گا۔ وہ اگر ایسا کوئی فیصلہ کرے تو اس کے خلاف اسلامی عدلیہ (جو انتظامیہ کے مقابلے میں آزاد حیثیت رکھتا ہے اور اصل حکمران کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے براہِ راست جوابدہ ہے) سے فیصلہ استرداد اور حکمِ امتناعی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مِلک کا حق اسلامی ریاست کے تسلیم کردہ بنیادی حقوقِ شہریت میں شامل ہے اور وہ بروئے دستور پورا پورا تحفظ اور پوری پوری گارنٹی چاہتا ہے۔ کیا اس بنیادی حقِ شہریت کے خلاف ہے کوئی دلیل؟

خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے فرمودات میں کوئی دلیل نہیں!

لیکن کہا جاتا ہے کہ ایک نظیر خلافتِ راشدہ کے دور کی ایسی موجود ہے جو بتاتی ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت اسلامی ریاست کو مجاز قرار دیتی ہے کہ وہ بہت سے لوگوں کے عمومی مفاد کے لئے بعض کے خصوصی مفاد کو، اور اسی طرح آئندہ نسلوں کے مفاد کے لئے موجودہ نسل کے مفاد کو نظرانداز کر کے اپنی پالیسی بنائے۔

واقعہ یوں ہے کہ عراق کی زمین جب فتح ہوئی تو سوال پیدا ہوا کہ آیا اسے مالِ غنیمت کی حیثیت دے کر (۱/۵ حصہ ریاست کے عمومی کاموں کے لئے ریزرو رکھنے کے بعد) سپاہ میں تقسیم کر دیا جائے یا اسے عطائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الٰہی کی حیثیت دے کر پوری طرح عوامی مفاد کے لئے محفوظ کر دیا جائے۔ اس پر اسلامی حکومت کی مجلس شوریٰ میں دونوں قسم کی رائیں سامنے آئیں اور مسلسل بحثیں ہوتی رہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دینے میں بہت تامل کیا۔ پھر کھلا اجلاس طلب کیا اور مسلمانوں کے سامنے سارا معاملہ رکھتے ہوئے تقریر کی کہ:۔

فانی واحد کاحدکم وانتم الیوم تقرون بالحق خالفنی من خالفنی ووافقنی من وافقنی ولست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوای معکم من اللہ کتاب ینطق بالحق، فواللہ لئن کنت نطقت بامر اریدہ ما ارید بہ الا الحق۔ (کتاب الخراج ص ۲۵)

میں تمہاری ہی طرح کا ایک فرد ہوں، اور آج جبکہ تم کو ایک حق کا فیصلہ کرنا ہے، بعض لوگ میری رائے کے حامی ہیں، بعض مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں؛ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میری خواہش کے پیچھے چلو۔ تمہارے پاس خدا کی کتاب موجود ہے جو ہر معاملے میں حق کو ظاہر کرتی ہے۔ خدا شاہد ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں بجز حق کو چاہنے کے میرا کوئی دوسرا مدعا نہیں ہے۔

اسی تقریر میں آپ نے قرآن سے اپنا استدلال پیش کیا، لوگوں نے اس سے اتفاق کیا اور اس پر اجماع سے یہ فیصلہ ہوا کہ عراق کی زمین مسلمان لشکریوں میں تقسیم کرنے کے بجائے مجموعی مفاد کے لئے حکومت کے تصرف میں رہے گی۔

کہنے والا یہ سنتے ہی کہتا ہے کہ ثابت ہو گئی نا قومی ملکیت؟

ہم گزارش کرتے ہیں کہ یہ سارا معاملہ تھا غنیمت اور فے کے قانون کی تعبیر اور اس کے انطباق کا، اس میں انفرادی ملکیت اور قومی ملکیت کی بحث نہ تھی۔

قرآن میں دو قانون الگ الگ بیان ہوئے ہیں، ایک غنیمت کا ایک فے کا۔

غنیمت کے قانون کے اہم اجزا سورۂ انفال میں یوں بیان ہوئے ہیں:۔

(۱) الانفال للہ والرسول ——— غنائم اصلاً خدا اور رسول کے ہیں، یعنی وہی ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں (ضمناً یہ مفہوم خود اخذ ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے بعد غنائم کے بارے میں ذمہ داری اس حکومتِ صالحہ کے سر عائد ہوتی ہے جو خدا اور رسول کے احکام کی اطاعت میں چلے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ، وللرسول، ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل ——— جنگی غنائم کا پانچواں حصہ لازماً حسبِ ذیل مقاصد کے لئے وقف رہنا چاہیئے:-

(ا) خدا کے دین کی اقامت کے لئے۔

(ب) رسول اللہ (بحیثیت صدرِ حکومت کے) کی ضروریات اور آپؐ کی طرف سے اقربا کے حقوق کی ادائیگی کیلئے

(ج) یتیموں اور اہلِ حاجت کی کفالت کے لئے۔

(د) مسافروں کو امداد اور سہولت دینے کے لئے۔

اب لیجئے قانونِ فئے کو، جس سے ذیل کی دفعات اخذ ہوتی ہیں:-

(۱) فئے کی تعریف ——— "ما افاء اللہ علیٰ رسولہ" جو کچھ خدا اپنے رسول (بحیثیت صدرِ حکومتِ اسلامی) کو (بفضلِ خاص) ہاتھ لگا دے یعنی خاص اس عطیۂ الٰہی کے لئے جدوجہد نہ کی گئی ہو، نہ کرائی گئی ہو، بلکہ بطورِ شئے زائد کے حاصل ہو جائے۔

(۲) فئے کا مصرف ——— (ا) للہ۔ یعنی اللہ کے دین کے فروغ میں (ب) وللرسول ولذی القربیٰ۔ رسول اللہ (بحیثیت صدرِ حکومت) کی ضروریات اور آپؐ کے اقربا کے حقوق ادا کرنے میں (ج) والیتمیٰ والمساکین، یتیموں اور حاجتمندوں کی کفالت میں، (د) وابن السبیل، مسافروں کی اعانت و خدمت میں (ر) للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً من اللہ، خصوصاً ان وطن چھوڑنے والے بے سروساماں لوگوں کی بحالی میں جو گھروں اور املاک سے نکال دیئے گئے ہیں اور اب وہ اللہ کے فضل (رزق) کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، (س) والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ——— ان لوگوں کی مالی اعانت میں، جو اس گھر (مدینہ) میں مقیم ہیں اور اُن (مہاجرین) سے پہلے ایمان لائے ہوئے ہیں، جو ہر اس شخص پر فدا ہیں جو ہجرت کرکے ان تک آتا ہے، اور وہ اپنے مال سے (ان کی خاطر) بے نیاز ہیں، اور ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود ان پر فاقہ ہی کیوں نہ مسلط ہو رہا ہو! (ص) والذین جاؤ من بعدھم، اور ان لوگوں کے مفاد میں، جو ان سب کے بعد (آئندہ نسلوں میں) آنے والے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) حکومت کا تصرفِ خاص ـــــــ وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ـــــــ

اور رسول (بہ حیثیت صدرِ حکومت) مالِ فئے میں سے اگر کوئی حصہ دے تو وہ جتنا دیدے اسے قبول کرلو، اور جس حصے سے تمہیں روک کر اسے بیت المال میں مفادِ عامہ کے لئے داخل کرنا چاہے، اُس سے رُک جاؤ۔

(۴) اس ضابطۂ فئے کی غایت ـــــــ کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم ـــــــ

یہ اموالِ فئے کہیں دولتمندوں کے اوپر اوپر کے طبقے ہی میں گردش کرتے نہ رہ جائیں۔

اب سنیئے کہ معاملہ تھا کیا؟

دراصل شورائے فاروقی میں مسئلہ زیرِ بحث یہ تھا کہ عراق کی مفتوحہ زمین کا فیصلہ ان دونوں میں سے کس قانون کے تحت ہونا چاہیئے۔ غنیمت کے قانون کے تحت یا فئے کے قانون کے تحت؟ لمبی بحثوں کے بعد قانونِ فئے کو زمینِ عراق پر منطبق کیا گیا اور اسے غنیمت کی تعریف سے خارج قرار دیا گیا۔

آپ ہی بتائیے کہ یہاں انفرادی ملکیت اور قومی ملکیت کی بحث کا کیا مقام؟ ـــــــ اور پھر سوچئے کہ جن لوگوں کو یہی معلوم نہ ہو کہ شورائے فاروقی میں بحث تھی کس سوال پر، وہ جب اس شوریٰ کے فیصلے سے اجتہادی احکام نکالنے پر اتر آئیں تو کیا کیا عجائبات ظہور میں نہ آئیں گے۔

اس سارے معاملے کو اور مختصر کر کے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین پر جو بھی فیصلہ دیا ہو اور جس طرح بھی دیا ہو، آخر اس سے یہ کیسے قیاس کر لیا جائے کہ مسلّم افراد کی مِلک میں پہلے سے جو اموال ہوں ان کو بھی قومی ملکیت میں منتقل کیا جا سکتا ہے؟ اس کی کوئی نظیر اگر ہو تو اسے سامنے لائیے۔ پھر گفتگو سیدھے راستے پر چل سکتی ہے۔

یہاں آکر جب نصوص و نظائر کے ترکش خالی ہو جاتے ہیں تو پھر ایک اور دروازہ بنایا جاتا ہے کہ اس راستے سے قومی ملکیت کا اصول اسلام میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ وہ دروازہ ہے اسلامی شوریٰ کے اجماع کا۔ لیکن جب ہم گزارش کرتے ہیں کہ شوریٰ تو ریاست کا ایک عضو (ORGAN) ہے، جب پوری حکومت خدا کے دیئے ہوئے حق کو سلب کرنے کی مجاز نہیں ہے تو مجلسِ شوریٰ کا اجماع دستورِ اسلامی کی رو سے جائز (VALID) کیسے ہو گا۔ اسے تو عدالت کا فیصلہ ردّی کے پرزے میں بدل سکتا ہے۔ اب ایک صورت اور سامنے لائی جاتی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اگر استصوابِ عام کرکے ہر شہری کا اتفاقِ رائے حاصل کرلیا جائے تو؟

یہ یقیناً دستوراً جائز ہے کہ اسلامی ریاست کے کچھ یا بیشتر شہری اپنی کسی مِلک سے خود دست بردار ہوکر اسے حوالۂ حکومت کردیں، لیکن دوسری طرف اگر کچھ شہری اس پر تیار نہ ہوں تو ان کو مجبور کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر ایک شہری بھی چاہے کہ اپنی مِلک پر قبضہ قائم رکھے تو وہ رکھ سکتا ہے اور عدالت اس کی حفاظت (PROTACTION) کی ضامن ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ اکثریت کا فیصلہ اقلیت کو ماننا لازم ہے، جیسا کہ "اجماع" کے متعلق دستورِ اسلامی چاہتا ہے کہ اسے واجب سمجھا جائے لیکن "اجماع" کسی متعین و منصوص حق کو (خصوصاً حقوقِ شہریت کو) کالعدم قرار دینے کا مجاز نہیں ہے، ورنہ اگر نصوص کو منسوخ کرنے کے لئے اجماع کو مؤثر مان لیا جائے تو پھر شریعت کا کوئی اصولی اور تفصیلی حکم اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔

املاک رکھنے کا حق جو فرد کو حاصل ہے، وہ خدا کا اپنا قائم کردہ ہے اور اس کے بارے میں رسول اللہ نے واضح طور پر وصیت فرمائی ہے کہ اعراضکم حرام علیکم۔ تمہارے اموال و املاک حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سو آدمیوں میں سے ۹۰ کے ووٹوں سے طے کردہ فیصلہ بھی بقیہ ۱۰ کے حقِ مِلک کو ساقط کرنے کے لئے مؤثر نہیں ہے، کیونکہ یہ فیصلۂ اکثریت خود دستور سے ٹکراتا ہے بالفرض ایک وقت میں اگر اپنے املاک کو سارے شہری حکومت کے حوالے کرنے پر رضامند ہو بھی جائیں تو بھی دستور نے املاک رکھنے کا جو حق ان کو دیا ہے اسے بدلا نہیں جاسکتا۔ وہ از سرِ نو املاک بہم پہنچا سکتے ہیں۔

پس یہ معاملہ رضاکارانہ ایثار اور اخلاقی فیاضی سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ دستور و قانون کے جبری ذرائع سے!

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ مِلک رکھنے کا حق ہی تو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، آخر افراد کے لئے اسے واجب تو نہیں ٹھیرایا کہ لازماً املاک رکھو پس جو چیز ضروری نہیں اسے جاری رکھنے کی ذمہ دار ریاست کیوں ہوگی؟

---

* قصاص کا حق اللہ تعالیٰ نے شہریوں کو عطا کیا ہے کہ وہ چاہیں تو ثبوتِ تعدی پر برابر سرابر کا بدلہ لیں اور چاہیں تو دیت پر معاملہ کرلیں چاہیں تو معاف کردیں۔ اس حق کو بھی افراد کے لئے مباح غیر واجب قرار دیکر کیا استصوابِ عام کے ذریعے اکثریت کے ووٹ سے سلب کیا جاسکتا ہے؟ اس اصول کو ذرا تمام حقوق پر منطبق کرکے دیکھئے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم سمجھتے ہیں کہ بنیادی حقوق میں سے "ہر حق" کو قائم رکھنا ضروری اور واجب ہے، ان میں خلل ڈالنے سے توازن ختم ہوتا ہے جو ریاست اور عوام یا سوسائٹی اور افراد کے درمیان قائم کیا گیا ہے اور جو اسلامی نظامِ حیات کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ورنہ اگر دوسری طرح سوچا جائے تو پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حسب منشا گھر میں کھانا پکوانا، لباس کے لئے کوئی جائز تراش منتخب کرنا، اپنے لئے پیشہ پسند کرنا، علم وادب میں اضافے کرنا، نئی نئی ایجادات کرنا، کسی سفر پر نکلنا، وغیرہ سارے امور مباحات ہی تو ہیں، واجب تو نہیں کئے گئے، اگر ریاست ان چیزوں پر پابندی عائد کرنا چاہے یا ان کو روک دے تو اس کا یہ اقدام جائز ہوگا، اگر معاملہ اسی طرح آگے بڑھتا جائے تو پھر کہنا یہ چاہیے کہ آزادی —— سوائے حق بات کہنے اور عبادات کی بجاآوری کے —— اور ہر معاملے میں محض مباح حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا حکومت چاہے تو اسے سلب کرے۔ کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اگر غور سے کام لیا جائے تو یہ نظریہ کہ مباحات غیر واجب کو حکومت حرام قرار دے سکنے کی مجاز ہے، سارے حقوقِ شہریت کا خاتمہ کر سکتا ہے اور پورے نظامِ دین میں ہر طرف تاویل و تحریف کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بالفرض کچھ مباحات اگر ایسے ہوں بھی کہ ان میں ریاست کی مداخلت کی گنجائش ہو تو ان کے بارے میں بھی شریعت کا مزاج غیر معمولی ضابطہ بندی (CODIFICATION) کے خلاف اور انفرادی آزادی کو زیادہ سے زیادہ حد تک برقرار رکھنے کی طرف ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کو سوال بازی سے روکنے کی علت یہ بیان کی گئی تھی کہ اس طرح تم اپنے لئے بہت سی جکڑ بندیاں فراہم کر لوگے اور پھر اپنا بوجھ اتنا بڑھا لوگے کہ ایک دن سارے کا سارا اتار کے پھینک دوگے۔ پس اُن مباحات میں بھی جن کا تعلق "بنیادی حقوق" سے نہیں ہے حکومت کو شدید داعیات کے تحت کم سے کم ناگزیر حد تک ہی تصرف کرنا چاہیے اور جب بھی پابندیوں کو ہٹانے کے لئے حالات سازگار ہو جائیں تو انھیں ہٹا دینا چاہیے۔

اسلام دراصل نظامِ اجتماعی کی عام فضا ایسی رکھنا چاہتا ہے کہ اس میں کلمۂ حق بلند کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے کے لئے پوری سہولتیں افراد، جماعتوں اور اداروں کو حاصل رہیں۔ اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فضا کی بحالی کے لئے چند حقوقِ شہریت وہ عوام کے لئے مقرر کرتا ہے اور خصوصیت سے آزادیٔ رائے اور آزادیٔ ملک کے حقوق کو باہم لازم ملزوم کی حیثیت دیتا ہے۔ قومی ملکیت کے تحت یہ فضا ختم ہو جاتی ہے۔

آپ بتائیے کہ اگر اظہارِ خیال کے ذرائع (پریس، اخبارات، مکتبے، دارالاشاعت، ہال، میدان، اور پارک) سب کے سب حکومت کے تصرف میں ہوں، نیز جملہ ذرائع پیداوار اور جملہ پیشے اس کے تحت ہوں، قیمتوں اور راشننگ کا نظم اس کے قبضے میں ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ حکومت کی روش کے خلاف (جسے بہرحال حکمران طاقت عینِ حق اور عینِ شریعت قرار دے گی) کوئی آواز اٹھائی جا سکے ـــــــ جبکہ حکمران طاقت اس کو روکنا چاہے! قطعاً نہیں! پس قومی ملکیت کا نظام اپنی فطرت کے لحاظ سے غیر اسلامی ہے۔

اس پر کہا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت (خود تمہارے عندیئے کے مطابق بھی) صالحین کے ہاتھوں میں ہوگی، پھر اس بات کا خدشہ کیوں ہو کہ صالحین ظلم کریں گے اور حق کی آواز کو دبا دیں گے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اول تو ایک دستور بننے کے بعد اسلامی ریاست کو ایک عبوری دور طے کرنا ہوگا جس میں چند صالحین، چند ادھکچرے اور بہت سے عامیانہ قسم کے کارکن مل جل کر کام کریں گے۔ اس عبوری دور میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ قومی ملکیت کا نظریہ اختیار کرنے والی ریاست کیسے ارتقا کرے گی۔ پھر صالحین بلا کسی مزاحمت و مسابقت کے تو نہیں چلیں گے۔ ان کی مزاحمت کرنے کے لئے غیر اسلامی رجحانات بھی کام کریں گے اور قومی ملکیت کے نظام کو اشتراکی ملحدانہ خطوط کی طرف دھکیلنے والے عوامل بھی موجود ہوں گے۔ اب اگر اس کشمکش میں "قومی ملکیت" کے نظام ہمہ گیر کی باگ ڈور کسی ذریعے سے غلط ہاتھوں میں منتقل ہو گئی تو آپ اس کا راستہ روکیں گے کن ذرائع سے؟

پھر فرض کیجئے کہ ٹھیٹھ قسم کے صالحین قومی ملکیت کے نظام پر متمکن ہوتے ہیں اور رہتے ہیں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ایک صالح طاقت کے بعد لازماً ہر طاقت جو جانشینی کرے گی صالح ہی ہو گی؟ ـــــــ اگر کبھی دس سال، بیس سال، پچاس سال میں آپ کے ملک کے صالح "ڈکٹیٹر" (قومی ملکیت کے نظام میں ڈکٹیٹر شپ تو پیدا ہوتی ہے) کی جگہ غیر صالح ڈکٹیٹر آتا ہے یا اس کی کونسل میں اکثریت دوسرے دل و دماغ کے لوگوں کی داخل ہو جاتی ہے اور نظام کو بگاڑا جاتا ہے۔ اب آپ کریں گے کیا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے موقعوں پر ایک طریقہ ہوتا ہے رائے عام کے احتجاج کا اور اس کا راستہ روک دیا جائے تو دوسرا راستہ ہوتا ہے بغاوت کا! اب سوچ کر بتائیے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے لئے کبھی قومی ملکیت کے نظام میں آپ کو ذرائع و وسائل مل سکتے ہیں ــــــ اگر حکمران خود ہی بطور فیاضی اپنے خلاف استعمال کرنے کے لئے کوئی قوت عطا نہ کر دے؟

اب پلٹ کے جواب دیا جاتا ہے کہ تم نظام اسلامی کا جو خاکہ پیش کرتے ہو اس میں بھی تو خیر و فلاح حکمرانوں کے صالح ہونے سے مشروط ہے۔ یہی بات ہمارے قومی ملکیت کے نظام میں بھی ہو گی۔ یہاں بھی شرط وہی ہے۔ لیکن ہم جو نظام دیتے ہیں اس میں حکمران بگڑ جائے تو منظم احتجاج، بلکہ آئینی انقلاب کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اور راستے ہی سے کام نہ چلے تو پھر "خروج" تک کی گنجائش رہتی ہے۔

آخر کار اس بحث کے خاتمے پر ایک بات اور سامنے لائی جاتی ہے کہ ہم سارے ذرائع و وسائل کو قومی ملکیت میں دیں گے ہی نہیں، بعض دیں گے۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ اس طرح کا ادھورا قومی ملکیت کا نظام دنیا میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکا حتیٰ کہ برطانیہ جیسے منظم ملک میں وہ موجبِ نقصان (پیدائش دولت کی کمی) ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اس اصول کو اختیار کیا جاتا ہے وہاں آغاز اس کے محدود انطباق سے ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ وسعت اختیار کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذرائع و وسائل کا باہمی ربط اتنا گہرا ہے کہ ایک شعبے پر کنٹرول کرنے کے لئے دوسرے پر کنٹرول کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام نظام حق کو جاری رکھنے کے لئے آزادی کی فضا چاہتا ہے اور وہ قومی ملکیت کے اصول کے تحت ختم ہو جاتی ہے۔

ان دلائل کے ساتھ ہم اس نتیجے میں پہنچتے ہیں کہ اسلامی نظام میں قومی ملکیت کا اصول داخل نہیں کیا جا سکتا۔ جو اس نتیجے سے اختلاف کرنا چاہے کرے، لیکن ہم اس سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے موقف کے حق میں کوئی منظم استدلال کرے، جس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com